ہمارا معاشرہ

چند خطرناک نفسیاتی وبائیں :

نعیم صدیقی

(۳)

اہل دین کا ایک بڑا گروہ ـــــ جو شاید دینداری کی حس بھی کچھ زیادہ ہی رکھتا ہے ـــــ ایک اور ہی زاویۂ نگاہ سے حالات کو دیکھتا ہے اور تیزی سے مایوسی کے گڑھے کی طرف لڑھک رہا ہے!

ہمارا اشارہ ایسے لوگوں کی طرف ہے جو قوم کی اجل مسمّیٰ کے بالکل سر پر ٹک آنے کے قائل ہیں اور حالات کی اصلاح سے قطعی طور پر مایوس ہو کر عذاب کے ورود کے بالکل منتظر بیٹھے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ مختلف جماعتیں ایک عرصے سے دین کا پیغام دے رہی ہیں۔ ملک میں مدت سے اسلامی لٹریچر پھیل رہا ہے، بے شمار حلقہ ہائے درس موجود ہیں۔ ہزارہا مساجد سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے آواز اٹھتی رہتی ہے ـــــ اور پھر ان کوششوں میں جو کمی تھی اسے پورا کرنے کے لئے تقسیم کا خونیں ہنگامہ ایک عمومی تنبیہ بن کے آیا ہے لیکن جو قوم اس کے بعد بھی اپنے حال پر قائم ہے، ناممکن ہے کہ اب اس کی اصلاح کی جا سکے اور اس کے نظامِ زندگی کو اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔ اس نظریے کے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اصلاح کی کوششوں سے بے نیاز ہونے کا ایک اچھا بہانہ مل جانے کی وجہ سے اپنی دنیوی زندگی میں پورے اطمینان سے یکسو ہو چکے ہیں اور بزعم خویش آنے والے عذاب کے تماشائی بن کے بیٹھے ہیں۔ ان حضرات کے دلوں میں قوم کے خلاف بوجوہ ایک انتقامی جذبہ کارفرما ہے اور اس وجہ سے یہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ قوم شکارِ عذاب ہو اور پھر یہ کنارے بیٹھ کر اسے دیکھیں، لذت لیں اور پھر یہ کہہ سکیں کہ دیکھیں ہم نے کہہ نہ دیا تھا، اب مزہ چکھو! ـــــ جیسے خود یہ پوری طرح بری الذمہ ہو چکے ہیں اور ان کے پاس کوئی سند

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آچکی ہے کہ تم کو بہر حال بچا لیا جائے گا ۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو دین میں زیادہ انہماک رکھنے والے ہیں ۔ زیادہ مخلص ہیں ۔ اور اصلاح سے مایوس ہو کر اس فکر میں ہیں کہ تمدن کے ہنگاموں سے الگ ہو کر اپنے لئے کوئی ذہنی و روحانی پناہ گاہ تعمیر کریں اور آنے والے عذاب سے پہلے پہلے کہیں سر چھپانے کا کوئی انتظام کر لیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان دونوں قسم کے حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اپنی عام زندگی میں اس طرح کی قنوطیت میں مبتلا ہوتا ہو۔ ان میں سے کوئی بے روزگار ہوتا ہے تو حصولِ معاش کے لئے اپنی جدوجہد کو کبھی ختم نہیں کرتا، چاہے دو مہینے تک کامیابی کی کوئی صورت نہ پیدا ہو۔ ان میں سے کوئی اگر دکان کھول کے بیٹھتا ہے تو چاہے گھنٹوں کوئی گاہک نہ آئے لیکن وہ شام سے پہلے دروازہ بند کر کے نہیں اٹھتا، بلکہ اسے برابر انتظار رہتا ہے کہ شاید اب کوئی آجائے۔ ان میں سے کسی کا بچہ بیمار ہو جاتا ہے تو چاہے مرض کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو اور معالجہ کی تدابیر کتنی ہی ناکام کیوں نہ ہو رہی ہوں، بیمار کی جان بچانے کی کوشش کو وہ آخری سانس تک کبھی روکنے پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن ملت کی اصلاح اور اقامت دین کی جدوجہد ہی میں ان حضرات کے دل جلد ہارتے ہیں اور ہاتھ پاؤں جلد چھوٹتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کو ملت سے دلسوزی کا اتنا گہرا تعلق ہے ہی نہیں کہ آخر دم تک تدابیر اصلاح کو اس پر آزماتے چلے جائیں اور کبھی نہ تھکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کی دلسوزی کے بغیر کبھی کوئی اصلاح کی کوشش پنپ نہیں سکتی۔

ان حضرات سے ہم چند گذارشات کرنا چاہتے ہیں :-

اولاً تو آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کا مقام نبی کا نہیں، بلکہ نبوت سے ہزار ہا درجے فروتر ہے۔ لہٰذا آپ کا منصب یہ ہے ہی نہیں کہ آپ ایک نبی کی طرح کسی قوم و ملک کے مستقبل پر کوئی قطعی حکم لگائیں۔

نبی کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ فوق البشری "آیات" اور دلائل و شواہد کے ساتھ آتا ہے، جن کے ذریعے وہ یہ ثابت کر دیتا ہے کہ حقیقتاً وہ اللہ کی طرف سے مبعوث و مامور ہے اور اسکی دعوت قطعی طور پر واجب القبول ہے جسے ٹھکرانا اپنی ہلاکت کا سامان کرنا ہے۔ دوسری طرف اس کا قول، اس کا فعل، اسکی سیرت، اس کا اخلاق، اسکی تحریک، اس کا طرز تعلیم، اس کا انداز تربیت، اس کی شان استدلال غرضیکہ اس کی سرگرمی، اصلاح

کا ہر پہلو ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہوتا ہے۔ اُس میں کوئی قابلِ گرفت کوتاہی نہیں ہوتی، اسکی تحریک میں کوئی جزئی سا تضاد اور کھوٹ بھی نہیں پایا جاتا، لہٰذا وہ اپنی زندگی میں لازماً "اتمامِ حجت" کا حق ادا کرکے جاتا ہے۔ نبی جس قوم سے براہ راست خطاب کرتا ہے، اس کے پاس آخرت میں پیش کرنے کے لئے یہ عذر باقی نہیں رہتا کہ ہم تک دعوتِ حق نکھر کر نہ آئی تھی اور ہمیں اس کے پہچاننے میں کوئی دقت ہوئی تھی، بلکہ اس قوم کے لئے عذرات تراشی کے سارے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں، وہ چاروں طرف سے دلائل سے گھیر دی جاتی ہے، چنانچہ وہ اگر آخر دم تک سرکشی پر ڈٹی رہتی ہے تو وہ اپنے جرمِ بغاوت پر خود ہمہ تن شہادت بن جاتی ہے اور اس حال میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کے لئے عذاب مقدر ہو جاتا ہے!

لیکن نبی کا کوئی پیرو اتمامِ حجت کے وہ کامل وسائل نہیں رکھتا جو نبی کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک عام داعیِ حق دعوتِ حق تو دے رہا ہو لیکن اس کا اسلوب معیاری نہ ہو، اسکی بات تبیین نہ ہو، وہ ذہنوں کے چھپے گوشوں کی جڑیں تلاش کر کرکے ذہنوں سے اکھیڑ نہ سکے، اسکی شخصیت میں جاذبیت کم ہو، اس کے اخلاق میں کسی پہلو سے کچھ کمی رہ جائے، اسے تربیتِ عوام کا ڈھنگ پوری طرح نہ آتا ہو، وہ ایک مدت سے صبر سے کام کرتے چلے جانے کے بجائے جی ہار کر ٹھنڈا پڑ جائے، غرضیکہ بے شمار کمزوریاں اور کوتاہیاں ایسی ہو سکتی ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص دعوتِ حق دینے کا فریضہ تو انجام دیتا رہے لیکن اتمامِ حجت نہ کر سکے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اتمامِ حجت سے پہلے تباہ کن عذاب کے ورود کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا..... اگر اللہ کے قانونِ عذاب کی حقیقت پر نگاہ ہو!

علاوہ بریں ایک عام داعیِ حق "آیاتِ بینات" اور معجزات اور سر کی آنکھوں سے نظر آنے والے دلائل و شواہد کہاں سے لائے گا، وہ تو نبی کے لئے خاص ہیں!

ان حالات میں کونسا داعیِ حق ایسا ہو سکتا ہے جو یقین کے ساتھ یہ کہہ سکے کہ میں نے اتمامِ حجت کا حق ادا کر دیا ہے اور وہ حالت پیدا ہو چکی ہے جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ :-

قد تبین الرشد من الغی	راست روی کجروی کے مقابل میں واضح ہو چکی!
فمن یکفر بالطاغوت و	اب جو کوئی "طاغوت" کا انکار کرکے

يؤمن بالله فقد استمسك	اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط
بالعروة الوثقى لا انفصام لها والبقرۃ	رشتہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ایک داعی اس حالت کے پیدا ہو جانے کے تصور میں ہو لیکن فی الواقع یہ پیدا نہ ہوئی ہو یا ابھی وہ اسے دور سمجھ رہا ہو اور یہ بالکل قریب آ چکی ہو۔ نبی کے علاوہ کوئی فرد یا گروہ قطعیت سے اتمام حجت کے واقع ہو جانے کا کبھی بھی اعلان نہیں کر سکتا؟

خود خدا کے انبیاء بھی از خود اتمام حجت کی آخری منزل کے آ جانے کا قطعیت سے کبھی فیصلہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاملے میں خاص اطلاع دی گئی ہو۔ بلا شبہ انبیاء کی فراست پیغمبرانہ بسا اوقات تحریک حق کے مستقبل کے مراحل کو بھانپ لیتی ہے لیکن یہ صرف ایک اندازہ ہوتا ہے اس اندازے پر انبیاء حکم نہیں لگایا کرتے۔ چنانچہ سورہ جن میں نبی صلعم کی زبان سے کہلوایا گیا:۔

قل انی لا املك لكم ضرا	(اے نبی صلعم) کہہ دیجیے کہ نہ تمہارے لئے
ولا رشدا ○ قل انی لن	برائی (عذاب) میرے بس میں ہے نہ تمہاری
يجيرنی من الله احد	ہدایت۔ کہہ دیجیے کہ اللہ سے مجھے بچانے والا کوئی
ولن اجد من دونه	اور نہ اس کے سوا کہیں پناہ لینے کی کوئی جگہ ہے۔
ملتحدا ○ الا بلاغا	بجز اس کے کہ اللہ کی طرف سے امانت حق پہنچا دوں
من الله ورسلته	اور اس کے پیغامات سنا دوں۔ اور جو کوئی اللہ اور
ومن يعص الله ورسوله	اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے جہنم کی
فان له نار جهنم خالدين	آگ مقدر ہے جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔
فيها ابدا ○ حتى اذا	(یہ پیغام مجھے سناتے رہنا ہے) یہاں تک کہ جب
راوا ما يوعدون فسيعلمون	اس (انجام) کو دیکھ لیں جس کا انہیں وعدہ دیا گیا
من اضعف ناصرا واقل	اور پھر وہ جلد ہی جان لیں گے کہ ہم میں سے
عددا ○ قل ان ادری	کون حمایتیوں کے لحاظ سے کمزور اور تعداد کے لحاظ سے

قریبٌ ما توعدون ام یجعل لہ
ربّی امدًا ۔ عالم الغیب
فلا یظہر علی غیبہٖ احدًا
الّا من ارتضیٰ من رسول

سے کم ہے۔
(اے نبی صلعم) ان سے کہہ دیجئے کہ میں جانتا ہی نہیں کہ جس (انجام) کا تم کو وعدہ دیا گیا ہے وہ قریب ہے یا میرے رب نے اسے کسی عرصے کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔ وہی "غیب" کا جاننے والا ہے اور وہ کسی پر اپنے راز نہیں کھولتا ..... مگر صرف اُس پر جسے وہ اپنے رسولوں میں سے پسند کرے!

یہاں دیکھئے، نبی تک یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اتمام حجت کی منزل قریب آچکی ہے یا دور ہے اور میرے بس میں نہیں ہے کہ تمہارے لئے ہدایت کے دروازے بڑھ کے کھول دوں یا عذاب کے سیلاب کا بند توڑ دوں۔ یہ غیبی حقائق ایسے ہیں کہ ان کے اختیارات کی ساری کنجیاں خود اللہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں اور اسکو تحدی کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "من یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا ابدا" ـــــ یہ ایک اٹل قانون ہے خدا کا اور اس قانون کی صداقت کی گواہی پوری جرأت سے دی جا سکتی ہے۔ پھر یہاں نبی کو اس کے اصل فرض پر متوجہ کیا جاتا ہے کہ تمہارا کام عذاب کے ورود کا انتظار کرنے کے لئے بیٹھ رہنا نہیں، اور تم آنے والے حالات کے لئے تماشائی بن کے نہیں رہ سکتے۔ تمہارا کام "بلٰغًا من اللہ ورسلٰتہ" ہے اور اس کام کا حق اگر ادا نہ کرو گے تو پھر تم کو خدا کی گرفت سے کوئی بچانے والا نہیں اور تم کو اس سے بھاگ کر کہیں پناہ نہ ملے گی۔

نبی کو جب تک خدا کی طرف سے آنے والے فرشتگانِ عذاب براہِ راست آکر یہ اطلاع نہیں دے دیتے کہ اب اتمام حجت کا حق ادا ہو چکا اور آخری فیصلے کی گھڑی آگئی ہے اُس وقت تک نبی نہ اصلاح کی جدوجہد کو چھوڑتا ہے، نہ قوم سے کنارہ کشی کرتا ہے، نہ تمدن سے بھاگ کر غاروں میں پناہ لینے کی تدابیر اختیار کرتا ہے بلکہ حالات جتنے جتنے تاریک ہوتے جاتے ہیں، وہ اتنا ہی اتنا زیادہ سرگرم ہوتا جاتا ہے ـــ بالکل اس جذبے کے ساتھ جیسے کسی شخص کا بچہ جتنا زیادہ کرب میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اس کے دوا اور معالجے کے

لئے اتنے ہی زیادہ اضطراب سے دوڑ دھوپ کرتا ہے، نہ الٹا یہ کہ وہ بیماری کے بڑھ جانے پر الگ جاکے بیٹھ رہے اور بچے کی موت کے وقوع کا انتظار کرنے لگے۔

صرف ایک نبی نے اپنی قوم کو وقت سے ذرا ہی قبل چھوڑ دیا تھا اور عذاب کے آنے میں جو تین دن کی مہلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی تھی اس کے پورا ہونے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ یہ یونس علیہ السلام تھے جن پر سخت عتاب ہوا کہ تم نے دعوتِ اصلاح کو ترک کیوں کیا اور وقت سے قبل قوم کو عذاب کا شکار ہونے کے لئے کیوں چھوڑ دیا۔

عذاب کی گھڑی کے سروں پر ٹپک آنے پر بھی اصلاح کا دروازہ کھلا رہتا ہے، اور یہ نازک موقع مصلحین کے لئے انتہائی سرگرمی کا ہوتا ہے کہ وہ آخری مرتبہ اپنی سی کر دیکھتے ہیں لیکن عذاب کے ورود سے قبل اصلاح کی جدوجہد کا ترک کر دینا بہت ہی غلط طریق کار ہے۔ یہ کام تو عین آخری منٹ تک جاری رہنا چاہیئے۔ سورۂ یونس میں ہے کہ:۔

فلولا كانت قرية آمنت فنفعها ايمانها الا قوم يونس لما آمنوا كشفنا عنهم عذاب الخزي في الحيوة الدنيا ومتعنهم الى حين ۝ (۹۸)

کیوں نہ ایسا ہوا کہ کوئی بستی (قوم) — (عذاب کے ٹپک آنے پر) — ایمان لے آتی، سو اس کو اس کا ایمان نفع دیتا مگر صرف ایک قوم یونس نے ایسا کیا ہے جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو ان سے ٹال دیا اور ایک مدت کیلئے انکو کام کرنے کی مہلت دیدی

مراد یہ کہ عذاب کے سر پہ ٹپک آنے کے بعد بھی مہلت کی آخری گھڑیاں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ کوئی گروہ انسانی رجوع الی اللہ پر آمادہ ہو جائے اور اپنی اصلاح کرے، اور ان گھڑیوں میں مصلحین کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ آخری موقع سے فائدہ اٹھانے پر قوم کو زیادہ سرگرمی سے آمادہ کرنے میں لگ جائیں۔ قوم یونس نے یہی کیا کہ جب ان پر عذاب ٹپک آیا اور صرف تین دن کی مہلتِ اصلاح باقی رہ گئی تو یونس علیہ السلام حمیّت حق کے جذبے کے تحت قوم کے سرکش نہ رہنے کو دیکھ کر اس سے الگ ہو گئے، لیکن

قوم کو اللہ نے توفیق دی اور اس نے آخری گھڑیوں میں اپنا سر اللہ کے سامنے خم کر دیا اور عذاب ٹل گیا۔

پس عذاب کے درود سے پہلے عذاب کے لازمی مقدر ہو جانے کا فتویٰ دے دینا اور کسی قوم کی اصلاح سے قطعی طور پر مایوس ہو کر الگ ہونا دعوتِ حق کے کارکنوں کے لئے کبھی بھی جائز نہیں ہے۔

قانونِ عذاب کی ایک مستقل دفعہ اس آیت میں بیان ہوئی ہے کہ:-

فلولا کان من القرون من قبلکم
اولوا بقیۃ ینھون عن الفساد
فی الارض الا قلیلا ممن انجینا
منھم واتبع الذین ظلموا
ما اترفوا فیہ وکانوا مجرمین ۝
وما کان ربک لیھلک
القریٰ بظلم واھلھا مصلحون ۝

پس کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے کی اقوام میں سے وہ لوگ جن میں حق کا کچھ اثر باقی تھا، لوگوں کو زمین میں قانونِ الٰہی سے آزاد ہو کر فساد بپا کرنے سے باز رکھتے۔ مگر ایسے لوگ کم تھے کہ جنہیں ہم نے عذاب کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ اور اہلِ ظلم نے وہ روش اختیار کی جس میں عیش دیکھا اور وہی مجرم تھے!

اور تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ وہ بستیوں (قوموں) کو بے انصافی سے ہلاک کرے۔ جبکہ وہاں کے لوگ اصلاح کی جدوجہد میں لگے ہوں:

یہ آیت صاف صاف بیان کر رہی ہے کہ جب تک کسی قوم میں اصلاح کی جدوجہد جاری رہتی ہے کچھ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگے رہتے ہیں، اور ان کی دعوت پر کچھ نہ کچھ لوگ لبیک کہتے رہتے ہیں، کسی نہ کسی حد تک اسے گوارا کیا جاتا رہتا ہے، اور اسے کاملاً رد کر کے ایک قطعی موڑ قوم نہیں مڑ جاتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب وارد نہیں کیا جاتا۔ اسی قانون کے پیشِ نظر مطالبہ کیا گیا ہے کہ جن لوگوں میں خدا پرستی کا کوئی اثر موجود ہو، ان کا کام یہ ہے کہ وہ برابر حق سے سرکشی کرنے کی روش سے خواص و عوام کو باز رکھنے میں لگے رہیں۔

یہی بات بنی اسرائیل پر گفتگو کرتے ہوئے دوسری جگہ یوں کہی گئی:-

ولا یظلمہم الذین یموتون ولا یحیا — کیونکہ ان کے متعلق وہ خوفناک ان کو ان کے

من قوم لعلہم لا تعودوا کلہم بغتۃ — مجرمانہ اقوال سے، ان کی حرام خوریوں سے

بما کانوا یفسقون — ان کو روکا۔ یہ بری حرکات تھیں جن کو یہ انجام دے

رہے تھے۔

یہ سوال جو آخرت میں ہر خدا پرست اور ہر خادمِ دین سے اپنی قوم اور ماحول کے بارے میں ہونے والا ہے۔ اگر اسکو ذہن میں رکھ کر ہمارے تنظیمی حضرات غور کریں کہ کیا اس کا جواب دینے کے لئے وہ پوری تیاری کر چکے ہیں اور شہادت و دعوت کا فرض ادا کر کے فارغ ہو چکے ہیں تو شاید ان کو محسوس ہو سکے کہ ابھی کام بہت زیادہ باقی ہے اور انہوں نے اس کا سواں حصہ بھی سر انجام نہیں دیا۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم دوسروں کی اصلاح کے لئے اگر ان لوگوں سے گھل مل کے رہے تو خود ہمیں خطرہ ہے کہ ہم بھی عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جائیں۔ اس وجہ سے ہمیں تمدن سے الگ ہو کے کہیں جنگلوں میں اپنی جانیں بچانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ حالانکہ ان کو قانونِ عذاب کی اس دفعہ کا علم نہیں جس کی رو سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ مصلحین اگر حقِ اصلاح ادا کر رہے ہوں اور اس حال میں عذاب آ جائے تو ان کو بچا لیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

حقاً علینا ننجی المومنین — ہم پر حق ہے کہ ہم اہل ایمان کو عذاب سے بچا لیں۔

پوری تاریخ اقامتِ دین کو دیکھئے، ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ مصلحین کو مجرمین کے انجام سے بچا لیا گیا ہے۔ اللہ مصلحین اور فاسقین میں فرق کرتا ہے اور دونوں سے اس کا سلوک مختلف ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

افمن کان مومناً کمن کان فاسقاً؟ — بھلا وہ جو مومن ہو، اس کے برابر ہو سکتا ہے جو فاسق ہے؟ — (السجدہ)

ہمارے ان تنظیمی مصلحین کو یہ بات بھی معلوم ہونا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ حالات کو عین اس وقت پلٹ دیتا ہے جب کہ وہ بظاہر انتہائی بگاڑ کو پہنچ جاتے ہیں۔ رات کی تیرگی جب گہری ہو چکتی ہے تو اس

کا سینہ پھاڑ کر اُس سے صبح برآمد ہو جاتی ہے خشک سالی جب اپنی انتہا کو پہنچ چکتی ہے تو بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، اسی طرح قوموں کا بگاڑ بڑھتے بڑھتے جب ایک خاص حد کو پہنچتا ہے تو اصلاح اس میں سے اپنا راستہ نکال لیتی ہے یہی حقیقت ہے جسے یوں بیان کیا گیا:۔

هو الذی ینزل الغیث من بعد	وہ (اللہ) وہ ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے
ما قنطوا وینشر رحمته	پر بادل بھیج دیتا ہے اور پھر اپنی رحمت (کی بارش)
	کو (ہر طرف) بکھیرتا ہے۔

دوسرے مقام پر وحی و نبوت کی بارانِ رحمت کے نزول اور بگاڑ کے بعد ایک قوم کی اصلاح کے سامان کے اچانک ظہور کا منظر یوں بیان کیا گیا ہے:۔

وهو الذی یرسل الریح بشرا	اور وہی ہے جو اپنی رحمت کے آگے (پیش آہنگ) کی
بین یدی رحمته حتی اذا	بشارت دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے ۔ یہاں
اقلت سحابا ثقالا سقنه لبلد	تک کہ وہ ابرِ کثیف کو لاد کے لے چلتی ہیں، پھر ہم
میت فانزلنا به الماء فاخرجنا	ہانک کے لے گئے ان کو کسی زندگی باختہ شہر تک،
به من کل الثمرات کذلک	پھر ان میں سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے ہر
نخرج الموتی لعلکم تذکرون	قسم کے پھل اگائے۔ یوں ہم مردوں کو زندہ کر کے
ــــ والبلد الطیب یخرج	نکال کھڑا کرتے ہیں۔ شاید کہ تم (اس استعارے سے)
نباته باذن ربه والذی	بات پا جاؤ!
خبث لا یخرج الا نکدا	اور (ہماری بارانِ رحمت کے نزول پر) پاکیزہ بستی
	(پاکیزہ) برگ و بار لاتی ہے اپنے رب کے اشارے
	سے، اور (دوسری طرف) جو بستی خبیث ہوتی ہے
	اس میں پیداوار ناقص ہی ہوتی ہے!

یہ پورا ٹکڑا معنی خیز استعارے پر مشتمل ہے اور جا بجا اس میں وہ اشارے موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ بات عام

بارش کی نہیں، بلکہ انسانی زندگی پر بارانِ وحی وہدایت کے واقع ہونے پر گفتگو کی جارہی ہے۔ یہاں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ بستی یا قوم جس کے افراد ذہنی واخلاقی موت کا شکار ہو چکے ہوں اور جن میں بظاہر زندگی کے کوئی آثار باقی نہ رہے ہوں، ان کو بھی ہم از سرِ نو زندگی عطا کر دکھاتے ہیں۔ یہاں بلاشبہ ایک اشارہ معادؔ کے بعثِ موتیٰ کی طرف بھی ہے، لیکن اس سے زیادہ استدلال دنیا میں مشکل ترین حالات میں احیائے دین کی کوششوں کو بار آور کر دکھانے پر کیا گیا ہے۔ کون جانتا ہے کہ کس وقت کس بستی اور کسی قوم کے لئے بشارت کی ہوائیں چلنے لگیں اور کب بارانِ رحمت کا نزول ہو جائے! بشارت کی ہواؤں کے چلنے اور بارانِ رحمت کے نزول میں کسی بستی اور قوم کی کھیتی کا ویران ہونا حائل نہیں، بلکہ الٹا یہ رحمت الٰہی کے لئے بلاوا ہوتا ہے۔

علاوہ بریں قرآنِ کریم نے انتہائے معصیت وبغاوت کو پہنچے ہوئے افراد اور جماعتوں تک کو اطمینان دلایا ہے کہ جب بھی تم اصلاح پر آمادہ ہو گئے، توبہ کے دروازوں کو کھلا پاؤ گے:-

قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم!

(اے نبی صلعم!) کہ دیجئے کہ اے میرے بندو! ـــ وہ کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیے ہیں ـــ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ! (اگر تم آمادہ اصلاح ہو جاؤ تو بلاشبہ اللہ تمہارے) سارے کے سارے گناہ بخش دیگا۔ یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اب اللہ تو اپنے بندوں کے لئے مغفرت واصلاح کے دروازے چوپٹ کھولے ہوئے ہے، چاہے بظاہر ان کے حالات کیسے ہی مایوس کن ہوں، لیکن ہمارے قنوطی حضرات کو نہ معلوم کیسے یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ ان دروازوں کو بند سمجھیں یا یہ یقین کر لیں کہ ان دروازوں سے اب کوئی داخل ہونے والا نہیں رہا۔ آخر اس بات کے لئے ذریعہ معلومات کیا ہے کہ کب کس کے دل میں انابت الی اللہ کی لہر اٹھے اور کب کون اپنے سابق گناہوں پر نادم ہو کر اطاعتِ الٰہی کے لئے کمربستہ ہو جائے؟ ـــ محض ایک سرسری اندازے پر تو کسی قوم کے قطعی طور پر مستحقِ عذاب ہو جانے کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک افسوسناک زیادتی ہے!

آپ کا مایوس ہو کر غاروں میں بیٹھ رہنا، شخصی زندگی کی سرگرمیوں میں کھو جانا اور اصلاحِ ملت سے ہاتھ

اٹھالینا اللہ کو اس سے روک نہیں سکتا کہ وہ ہدایت کے دروازے چوپٹ کھول دے۔ وہ خالق الاصباح اگر رات کا سینہ چیر کر اس میں سے نیا دن ابھار کے لا دکھائے تو کسی کی قنوطیت مانع نہیں ہو سکتی ہیں کرنے کا کام قنوطیت کا اظہار نہیں بلکہ امید کے اسباب کا ابھارنا ہے۔ اسے کیجئے اور بدعملی پھیلا کر ان لوگوں کے کام میں روڑے نہ اٹکائیے جو بساط بھر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

آپ نے عوام کی اصلاح سے مایوسی کا فتوے دینے سے پہلے کاش کہ اتنا غور کیا ہوتا کہ اب تک آخر اصلاح کا کام ہوا کیا ہے؟ —— کیا یہ چند وعظ، چند تقریریں، چند درس اس بات کے لئے کافی ہیں شہادت حق اتمام حجت کی منزل کو پہنچ جائے! یہ وعظ اور درس اتنی بڑی قوم کی اصلاح کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے یہ قوم جس کو چاروں طرف سے شیاطین نے گھیر رکھا ہے۔ یہ جس کو آئمہ ضلالت "پوری طرح گھیرے ہوئے ہیں جس کی صحافت الحاد و لادینی کا طوفان اٹھا رہی ہے۔ جس کے علماء نے تو دین کی حقیقت کو اُن پر مشتبہ بنا رکھا ہے، جس کے لیڈروں نے مختلف بولیاں بول بول کر اسے ایک انتشار میں مبتلا کر رکھا ہے، جس پر سرمایہ اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے، جس پر جدید فلسفے کا طوفان لٹریچر کی صورت میں تلاطم پڑتا ہے، اس میں آپ کے چند وعظ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں تو مساعئ صلاح میں اگر عمریں کھپ جائیں تو بھی نہیں کہا جا سکتا کہ شہادتِ حق کا حق ادا ہو گیا!

کسی داعئ حق کو اُس وقت تک مایوسی کا اظہار کرنے کا حق نہیں جب تک ایک ماحول میں اس کا وجود کسی درجے میں بھی گوارا کیا جاتا ہے، اور جب تک بچہ بچہ اسکی دعوت کو علانیہ رو در رو ہو کر ٹھکرا نہیں دیتا۔ بخلاف اس کے یہاں تو حالات انتہائی امید افزا ہیں۔ لوگ آپ کی بات سنتے ہیں، بعض اثر لیتے ہیں، بعض قبول کرتے ہیں، بعض عملی تعاون پر تیار ہو جاتے ہیں، بعض، دینِ حق کے لئے ہمہ تن ایثار بن جاتے ہیں —— آہستہ آہستہ کوشش کرنے والوں کی کوششوں کے نتائج برابر نکل رہے ہیں! بحالیکہ حال کہ لوگ مکہ میں خدا کا نام نہیں لے سکتے تھے، پٹتے تھے، لہولہان کر دیئے جاتے تھے، دو سال تک شعب ابی طالب میں نظر بند رکھے گئے، جب بھی انہوں نے اُس وقت سے پہلے قنوطیت کے جذبوں کو دلوں میں جگہ نہ دی، جب تک کہ ان کے قتل اور اخراج کے منصوبے نہ بن گئے اور جب تک کہ ان کو یقین نہ ہو گیا

کہ اب مکہ کی سرزمین ان کا وجود ایک لمحے کے لئے بھی گوارا نہیں کر سکتی! لیکن ہزار طرح کی سہولتوں اور آسانیوں میں ہوتے ہوئے آپ کون ہوتے ہیں کہ قوم کی اصلاح کے ناممکن ہونے کا فتوے دیں؟ آپ کی قنوطیت ایک خطرناک بزدلی اور فرض ناشناسی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے، براہِ کرم اس کے علاج کی طرف توجہ فرمائیے، ورنہ بحالاتِ موجودہ دوسروں کی طرف سے جو تھوڑی بہت سعیِ اصلاح ہو رہی ہے، آپ اسکی راہ میں بھی رکاوٹیں ڈالتے رہیں گے۔

یہ ساری قنوطیت خدا تعالےٰ کے سنن و قوانین کو نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ اللہ آپ کو توفیق دے کہ ان سنن و قوانین کو آپ سمجھیں اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کو ملحوظ رکھیں۔

یہ تمام قنوطیت زدہ عناصر جن کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے مرض کے اسباب چاہے کتنے ہی مختلف ہوں، نتیجہ بہرحال ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ قنوطیت سے متاثر ہونے والے ہزاروں افراد عضو معطل بن کے رہ گئے ہیں اور عین اس حال میں کہ خیر و شر کی فیصلہ کن کشمکش ہو رہی ہے، یہ اپنی قوتیں اس کشمکش میں لگانے سے رک کے بیٹھے ہیں، پھر اگر خود یہ حضرات ہی ناکارہ بن کے بیٹھ رہتے تو غنیمت ہوتا، مشکل یہ ہے کہ یہ اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں اپنے اقوال سے بھی اور طرزِ عمل سے برابر دوسروں کو بھی اپنے ہی مرض میں مبتلا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ حق کو حق ماننے کے باوجود اور اس کے غلبے کے حریص ہونے کے باوجود اس کی ترقی میں حائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ان کی اصلاح کے لئے بے چین ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان کے بجھے ہوئے دیئے پھر سے روشن کیے جا سکیں۔ (باقی آئندہ)